UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

قرآن کریم کے غیر واضح الدلالۃ الفاظ اور انحرافی تفاسیر

The Inexplicit Words in the Qur'ān and the Issue of Misinterpretation

DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

ڈاکٹر نعمانہ خالد *

Abstract:
Principles and grammer help to understnad a language. As the Holy Qur'ān, which is the final and revealed message of almighty Allah is in arabic so an exegetist of this holy book must be possessed full command on basic principles (Qawāid.i.Lughwiyāh Uṣūliyāh) framed by theologians (Uṣūleyīn) Mere dictionary's explanation or human intellect is not sufficient to understand the true spirit of meaning of the versus. In this article, I have tried to throw light on importance of Ghāir Waẓaḥuddalā'lah words for an exegetist, especially Mutashābehāt is very important and senstive topic in this regard. After explaining definitions & basic rules of Ghāir Waẓaḥuddalā'lah, I have also tried to touch a few relevant deviated instances to prove their importance in exegession of the Holy Qur'ān.

Keywords: *Qawaid.e.Lughwiyāh, Khāfī, Mūshkil, Mutashābih*

تعارفِ موضوع:

قرآن حکیم نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر عربی زبان میں نازل ہوا اور زمانہ نزول سے اب تک اس کتاب کی بہت سی تفاسیر و تشریحات لکھی جاتی رہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ کتاب اللہ کی تفہیم و تشریح اور آیات قرآنیہ سے استنباط کے لیے عربی زبان کے قواعد کا علم ناگزیر ہے۔ علمائے اصولیین نے اسی ضرورت کے پیش نظر نہایت عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے عربی زبان کے قواعد و ضوابط کو مرتب کرنے کے ساتھ ساتھ ان سے احکامات کے استخراج کی وضاحت بھی کی ہے۔ اصول فقہ کی مباحث میں بڑا حصہ انہی قواعد کی تفصیلات پر مشتمل ہے اور اصولیین کے نزدیک یہ ''قواعد لغوية أصولية'' سے موسوم ہیں۔ قواعد لغویہ اصولیہ آیات قرآنیہ کی توضیح و تشریح اور استنباط و استخراج احکام میں کلیدی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ مفسر کے لیے ضروری علوم کے متعلق ''الإتقان فی علو م القرآن'' میں مذکور ہے:

''أصول الفقه إذ به يعرف وجه الإستدلال على الأحكام والاستنباط ۔''[1]

(ترجمہ): یعنی ''اصول فقہ'' کے ذریعہ سے احکام و استنباط پر استدلال کی وجہ معلوم کی جاتی ہے۔

* لیکچرر اسلامیات، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج برائے خواتین، شادباغ، لاہور

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

غلام احمد حریری لکھتے ہیں کہ "اصول فقہ ہی وہ علم ہے جس کی بناء پر آیات قرآنی سے مسائل واحکام کا استنباط کیاجاسکتاہے۔مزید برآں عموم وخصوص اطلاق وتقیید اوراوامر ونہی کا پتہ بھی اسی علم سے چلایا جاسکتاہے۔"[2] بعض حضرات نے آیات قرآنیہ سے من مانی تعبیرات حاصل کرنے کے لیے محض لغت یا عقل کو بنیاد بناتے ہوئے احکام دینیہ کی نئی تعبیر پیش کی۔ایسی من چاہی تعبیرات کو" تفسیر بالرائے مذموم" سے موسوم کیا جاتا ہے جو قابل قبول نہیں۔علماء نے صراحت کی ہے کہ "قرآن کریم کی تفسیر کے لیے جو اصول، اجماعی طورپر مسلم اور طے شدہ ہیں،ان کو نظرانداز کرکے محض رائے کی بنیادپر تفسیر کی جائے،تواس طرح تفسیر کرناجائز نہیں ہے۔"[3] پس "قواعد لغویہ اصولیہ" سے نابلد فرد محض اپنی عقل یا لغت سے تفسیر قرآن کی جسارت کرے تو یہ ایک مذموم فعل کا مرتکب ہے۔

قواعد لغویہ اصولیہ میں ایک اہم بحث ظہور معنٰی اور خفائے معنٰی کے لحاظ سے نظم کی تقسیم کی ہے، جسے "واضح الدلالۃ اور غیر واضح الدلالۃ الفاظ" سے بھی موسوم کیاجاتاہے۔اس مضمون میں غیر واضح الدلالۃ الفاظ کا مختصر تعارف اوران سے انحرافی تفاسیر کے چند نمونے پیش کیے جائیں گے تاکہ مفسر قرآن کے لیےان قواعد کی اہمیت کو بیان کیاجاسکے۔

غیر واضح الدلالۃ الفاظ میں "خفی، مشکل، مجمل اور متشابہ" شامل ہیں۔ان کے مابین وجہ حصر کچھ یوں ہے کہ اگر لفظ کے معنٰی پوشیدہ ہوں تو یہ دو وجوہ پر ہوگی، یاتو خفاء نفس صیغہ کی وجہ سے ہوگا یا کسی بیرونی عارض کی وجہ سے ہوگا،اگر کسی بیرونی عارض کی وجہ سے پوشیدہ ہو تو یہ "خفی" ہےاوراگر نفس صیغہ کی وجہ سے خفاء ہے تو یہ بھی دو وجوہ پر ہے، یاتوسیاق کلام وقرائن سےاس کی معرفت ممکن ہے یانہیں،اگر سیاق کلام وقرائن سے معرفت ممکن ہے تو یہ "مشکل" ہےاوراگر سیاق کلام وقرائن سے معرفت کاحصول ممکن نہیں تو یہ بھی دووجوہ پر ہے،اول یہ کہ متکلم کے بیان سےاس خفاء پر معرفت کی امید ہوگی اور دوسرا یہ کہ متکلم کے بیان کی امید بھی ختم ہوگئی۔اگراول ہے تو" مجمل" ہےاوراگر ثانی ہے تو"متشابہ" ہے۔

ذیل میں غیر واضح الدلالۃ الفاظ اور ان سے انحراف کی چند تفسیری صورتوں کو بیان کیاجائے گا،تاکہ مفسر قرآن کے لیےان قواعد کی معرفت کی اہمیت واضح کی جاسکے۔

خفی

غیر واضح الدلالۃ الفاظ میں پہلی قسم "خفی" ہے،جوکہ "ظاہر" کے مقابلہ میں ہے۔جس طرح واضح الدلالۃ الفاظ میں سے "ظاہر" درجہ کے اعتبار سے سب سے کم ہوتاہےیعنی اس میں وضوح باقی تین کی نسبت کم ہوتاہے،اسی طرح "خفی" میں خفاء باقی تین (مشکل، مجمل اور متشابہ) کی نسبت کم ہوتاہے ، یہاں تک کہ طلب

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

اور جستجو سے خفی کو جانا جاسکتا ہے۔ خفی کی مراد صیغہ کی وجہ سے پوشیدہ نہیں ہوتی، بلکہ کسی بیرونی عارضے کی وجہ سے خفی اپنی مراد پر مخفی ہوتا ہے۔ ذیل میں "خفی" کی تعریف علمائے اصولیین کے الفاظ میں بیان کی جاتی ہے۔

علامہ بزدویؒ نے خفی کی تعریف یوں تحریر کی ہے:

''فالخفي اسم لكل ما اشتبه معناه وخفي مراده بعارض غير الصيغة لا ينال إلا بالطلب وذلك مأخوذ من قولهم اختفى فلان أي استتر في مصره بحيلة عارضة من غير تبديل في نفسه فصار لا يدرك إلا بالطلب وذلك مثل النباش والطرار وهذه في مقابلة الظاهر۔''[4]

(ترجمہ): پس خفی ہر وہ کلام ہے جس کے معنی میں اشتباہ پیدا ہو جائے اور اس کی مراد صیغہ کے علاوہ کسی اور عارض کی وجہ سے مخفی ہو اور اسے تلاش و جستجو کے بغیر معلوم نہ کیا جاسکتا ہو اور یہ ان کے قول ''اختفی فلان'' سے ماخوذ ہے یعنی وہ شخص جو اپنی ذات میں ردوبدل کیے بغیر کسی عارضی حیلہ کی بناء پر اپنے شہر میں چھپ گیا ہو۔ پس وہ ایسے ہو گیا کہ اس تک رسائی طلب و جستجو کے بغیر ممکن نہیں اور طرار (جیب کترے) اور نباش (کفن چور) کے اسماء کی مثل ہے اور یہ ظاہر کے مقابلہ میں ہے۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

''وأما الخفي فهو اسم لما اشتبه معناه وخفي المراد منه بعارض في الصيغة يمنع نيل المراد بها إلا بالطلب، مأخوذ من قولهم: اختفى فلان إذا استتر في وطنه وصار بحيث لا يوقف عليه بعارض حيلة أحدثه إلا بالمبالغة في الطلب من غير أن يبدل نفسه أو موضعه، وهو ضد الظاهر۔''[5]

(ترجمہ): اور خفی ایسے کلام کا نام ہے جس کے معنی مشتبہ ہوں اور اس کی مراد صیغہ کے کسی ایسے عارض کی وجہ سے مخفی ہو کہ جو طلب و جستجو کے بغیر مراد کے حصول سے مانع ہو اور یہ (خفی) ان (اہل عرب) کے قول ''اختفی فلان'' سے ماخوذ ہے۔ جب کوئی شخص اپنے وطن میں چھپ گیا ہو اور وہ اپنے پیدا کردہ حیلہ عارضہ کے ذریعے ایسا ہو جائے کہ شدید طلب و جستجو کے بغیر اس تک رسائی ممکن نہ ہو سکے، البتہ اس کا پوشیدہ ہونا اس کی اپنی ذات یا جگہ میں ردوبدل کے بغیر ہو اور خفی ظاہر کی ضد ہے۔

ملاجیون "خفی" کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

''أن يكون خفاءه لعارض غير الصيغة فهو الخفي''[6]

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

یعنی اگر اس کا خفاء صیغہ کے علاوہ کسی عارض کی وجہ سے پیدا ہوا ہو تو وہ خفی ہے۔

غیر واضح الدلالۃ الفاظ میں سب سے پہلے "خفی" شامل ہے، جس کی مراد صیغہ کی وجہ سے پوشیدہ نہیں ہوتی، بلکہ کسی ایسے عارض کی وجہ سے مخفی ہوتی ہے، جو کہ خود کلام میں موجود ہوتا ہے اور طلب و تامل کے ذریعہ ایسے عارض کو رفع کیا جاسکتا ہے۔

خفی کی مثال

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ"[7]

(ترجمہ): جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ ان کے فعلوں کی سزا اور خدا کی طرف سے عبرت ہے۔

آیت مبارکہ چور کے حکم میں واضح ہے، لیکن کفن چور اور جیب کترے کے حق میں خفی ہے[8]، کیونکہ یہ دونوں چوری کی تعریف[9] پر پورا نہیں اترتے۔ کفن چور ایسے شخص کا مال لیتا ہے، جو اپنے مال کی حفاظت پر قدرت ہی نہیں رکھتا، جب کہ جیب کترا ایسے شخص کا مال لیتا ہے جو اپنے مال کی حفاظت پر قدرت وارادہ رکھتا ہے، لہٰذا آیت مبارکہ چور کے حکم میں ظاہر ہے اور طرار و نباش کے حق میں "خفی" ہو گی۔

خفی کا حکم

علامہ بزدویؒ "خفی" کا حکم یوں بیان فرماتے ہیں:

"وضد الظاهر الخفي وحكمه النظر فيه ليعلم أن اختفاءه لمزية أو نقصان فيظهر المراد۔"[10]

(ترجمہ): اور ظاہر کی ضد خفی ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں اس حد تک غور و فکر کرنا ہے کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کا خفاء معنی کی زیادتی کی وجہ سے ہے یا نقصان کی وجہ سے، پس اس سے کلام کی مراد ظاہر ہو جائے گی۔

علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

"ثم حكم الخفي اعتقاد الحقية في المراد ووجوب الطلب إلى أن يتبين المراد"[11]

(ترجمہ): پھر خفی کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد کو حق جانتے ہوئے اس کا طلب کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ مراد بالکل واضح ہو جائے۔

مصنف اصول الشاشی خفی کا حکم یوں بیان فرماتے ہیں:

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

"وحكم الخفى وجوب الطلب حتى يزول عنه الخفاء"[12] یعنی خفی کا حکم طلب کا واجب ہونا ہے تاکہ اس سے خفاء زائل ہو جائے۔

ڈاکٹر ادیب صالح لکھتے ہیں:

"خفی کا حکم اس میں مجتہد کا اس حد تک غور و فکر کرنا ہے کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کا خفاء معنی کی زیادتی کی وجہ سے ہے یا معنی کے نقصان کی وجہ سے۔ پس اگر یہ خفاء زیادتی معنی کی وجہ سے ہے تو اس پر "ظاہر" سے حاصل ہونے والا حکم لگایا جائے گا اور اگر یہ "خفاء" نقصان معنی کی وجہ سے ہے تو "ظاہر" کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔"[13] پس "طرار" پر سارق کا حکم یعنی قطع ید لگایا جائے گا لیکن نباش پر یہ حکم نہیں لگایا جائے گا، کیونکہ اس میں خفاء نقصان معنی کی وجہ سے ہے۔[14]

خفی کے حکم کا حاصل یہ ہے کہ مجتہد اس میں اس حد تک غور و فکر کرے کہ یہ واضح ہو جائے کہ خفاء معنی میں کمی کی وجہ سے ہے یا زیادتی کی وجہ سے ہے۔ اگر "خفاء" معنی کی زیادتی کی وجہ سے ہو تو اس کا حکم "ظاہر" کے حکم کی مانند ہوگا اور اگر "خفاء" معنی کی کمی کی وجہ سے ہو تو "ظاہر" کا حکم نہیں لگایا جائے گا، مثلاً اوپر کی مثال میں طرار پر سارق کا حکم لگایا جائے گا لیکن نباش پر نہیں، کیونکہ اس میں "سرقہ" کے معنی میں کمی آجاتی ہے اور حدود شبہات میں اٹھالی جاتی ہیں۔

مشکل

غیر واضح الدلالۃ الفاظ میں "خفی" کے بعد "مشکل" ہے، جو کہ "نص" کے مقابلہ میں ہے، جس طرح "ظاہر" کی نسبت "نص" میں وضوح اور ظہور زیادہ ہوتا ہے، اسی طرح "مشکل" میں "خفی" کے مقابلہ میں ابہام اور پوشیدگی بڑھ جاتی ہے۔ خفی کی نسبت "مشکل" کے حکم کے لیے زیادہ تامل اور طلب کی ضرورت ہوتی ہے۔ علامہ بزدویؒ مشکل کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"ثم المشكل وهو الداخل في أشكاله وأمثاله مثل قولهم أحرم أي دخل في الحرم واشتى أي دخل في الشتاء وهذا فوق الأول لا ينال بالطلب بل بالتأمل بعد الطلب ليتميز عن أشكاله وهذا لغموض في المعنى أو لاستعارة بديعة وذلك يسمى غريبا مثل رجل اغترب عن وطنه فاختلط بأشكاله من الناس فصار خفيا بمعنى زائد على الأول۔"[15]

(ترجمہ): پس مشکل وہ ہے جو اپنے ہم شکل و ہم مثل اشیاء میں داخل ہو جائے جیسے عربوں کا یہ قول "احرم" یعنی حرم میں داخل ہوا یا لفظ اشتی یعنی موسم سرما میں داخل ہوا یہ پہلے والے سے

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

اوپر ہے، صرف طلب سے اس کی مراد حاصل نہیں کی جاسکتی بلکہ طلب کے بعد غور و فکر اور تامل کرنا ہوگا تاکہ وہ اپنے ہم شکل سے ممتاز ہوجائے اور ایسا معنی میں گہرائی کی وجہ سے یا نادر استعارہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو غریب کہا جاتا ہے، جیسا کہ کہا جائے کہ فلاں شخص وطن سے غریب ہوگیا تو ہم شکل لوگوں میں خلط ہوگیا، پس یہ خفی سے زائد معنی کے ساتھ ہوگا۔

علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

''وهو اسم لما يشتبه المراد منه بدخوله في أشكاله على وجه لا يعرف المراد إلا بدليل يتميز به من بين سائر الاشكال۔''[16]

(ترجمہ): یعنی (مشکل) نام ہے اس چیز کے لیے جس کی مراد اپنے ہم شکلوں میں داخل ہونے کی وجہ سے مشتبہ ہو اور یہ ایسے طریقہ سے ہو جس کی مراد معلوم نہیں ہوتی مگر دلیل کے ساتھ، تاکہ وہ دلیل اس کو ہم شکلوں سے ممتاز کردے۔

مصنف اصول الشاشی لکھتے ہیں:

''وأما المشكل فهو ما ازداد خفاء على الخفي كأنه بعدما خفي على السامع حقيقة دخل في أشكاله وأمثاله حتى لا ينال المراد إلا بالطلب ثم بالتأمل حتى يتميز عن أمثاله۔''[17]

(ترجمہ): اور بہر حال مشکل وہ کلام ہے جس میں خفی کی بہ نسبت خفاء زائد ہو گویا کہ وہ اس کے بعد کہ سامع پر اس کی حقیقت مخفی ہوگئی اپنے ہم شکل اور امثال میں داخل ہوگیا حتیٰ کہ مراد حاصل نہ ہوگی مگر طلب سے پھر غور و فکر کرنے سے یہاں تک کہ وہ اپنے امثال سے ممتاز ہو جائے۔

مشکل باعتبار خفاء وپوشیدگی کے خفی سے بڑھ کر ہے اور ''مشکل'' وہ ہے جو اپنے ہم مثل میں داخل ہونے کی وجہ سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خفی کی نسبت مشکل کے لیے زیادہ تامل اور غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ معمولی غور و فکر کے ذریعہ مشکل کو جاننا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ ہم مثل کے اختلاط سے یہ مشتبہ ہو جاتا ہے۔

مشکل کی مثال

مصنف اصول الشاشی مشکل کی مثال یوں بیان کرتے ہیں:

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

''ونظيره في الأحكام لو حلف لا يأتدم فإنه ظاهر في الخل والدبس فإنما هو مشكل في اللحم والبيض والجبن حتى يطلب في معنى الائتدام ثم يتأمل أن ذلك المعنى هل يوجد في اللحم والبيض والجبن أولا''۔[18]

(ترجمہ): احکام شرع میں اس کی نظیر یہ ہے کہ کسی نے قسم کھائی کہ وہ(ادام)سالن نہیں کھائے گا،پس یہ سرقہ اور کھجور کے شیرہ میں ظاہر ہےاور گوشت،انڈے اور پنیر میں مشکل ہے یہاں تک کہ ایتدام کے معنی کو طلب کرے پھر غور کرے کہ یہ معنی گوشت،انڈہ اور پنیر میں موجود ہیں یا نہیں؟

یعنی مشکل میں خفی کی نسبت خفاء زیادہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ اوپر بیان کی گئی مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ طلب وتامل کے ذریعہ حکم کوتلاش کیا جاتا ہے۔

مشکل کا حکم

مشکل کا حکم بیان کرتے ہوئے علامہ بزدویؒ لکھتے ہیں:

''لا ينال بالطلب بل بالتأمل بعد الطلب لتميز عن أشكاله''[19] یعنی جو محض طلب سے حاصل نہیں ہوتا،بلکہ طلب کے بعد تامل کی بھی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ہم شکل کو الگ کیا جاسکے۔

ملاجیون لکھتے ہیں:

''اى حكم المشكل أولا هو اعتقاد الحقى فيما كان مراد الله تعالىٰ بمجرد سماع الكلام، ثم الإقبال على الطلب أى أنه لأى معنى يستعمل هذا الفظ، ثم التأمل فيه بأنه اى معنى يراد ههنا من بين المعانى فيتبين المراد''[20]

(ترجمہ): یعنی مشکل کا حکم اولاًتو یہ ہے کہ محض کلام کے سماع کے نتیجے میں اس کااعتقاد رکھنا کہ جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہےوہ حق ہے۔پھر طلب (معانی) کی طرف متوجہ ہونا یعنی یہ لفظ کن کن معانی میں مستعمل ہے۔اس کی طلب کرنا پھراس میں تامل کرنا یعنی یہ غوروفکر کرنا کہ یہاں معانی میں سے کون سے معانی مراد ہیں پس اس سے مراد واضح ہو جائے گی۔

''مشکل'' خفاء معنی کے لحاظ سے ''خفی'' سے بڑھ کر ہے،لہٰذا''مشکل'' کے خفاء کو دور کرنے کے لیے ''خفی'' کی نسبت زیادہ غوروفکر کی ضرورت پڑتی ہے۔''خفی'' کی مراد معمولی طلب وکوشش سے پہچانی جاسکتی ہے لیکن ''مشکل'' کے لیے شدید طلب کے بعد تامل کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ ہم شکل کو الگ کیا جاسکے۔

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

مجمل

غیر واضح الدلالۃ الفاظ میں تیسرا "مجمل" ہے، جو "مفسر" کے مقابلہ میں ہے۔علامہ بزدویؒ "مجمل" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ثم المجمل وهو ما ازدحمت فيه المعاني واشتبه المراد اشتباها لا يدرك بنفس العبارة بل بالرجوع إلى الاستفسار ثم الطلب ثم التأمل۔''[21]

(ترجمہ): پس مجمل وہ ہے جس میں معانی کا ازدحام واقع ہو جائےاور مراد مشتبہ ہو جائے۔ ایسا اشتباہ آجائے کہ نفس عبارت سےوہ معلوم نہ ہوسکے بلکہ استفسار، پھر طلب اور پھر تامل کی طرف رجوع کیاجائے۔

علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

''وأما المجمل فهو ضد المفسر، مأخوذ من الجملة، وهو لفظ لا يفهم المراد منه إلا باستفسار من المجمل وبيان من جهته يعرف به المراد، وذلك إما لتوحش في معنى الاستعارة أو في صيغة عربية مما يسميه أهل الادب لغة غريبة، والغريب اسم لمن فارق وطنه ودخل في جملة الناس فصار بحيث لا يوقف على أثره إلا بالاستفسار عن وطنه ممن يعلم به۔''[22]

(ترجمہ): مجمل مفسر کی ضد ہے۔یہ لفظ "الجملۃ" سے ماخوذ ہے۔ مجمل وہ لفظ ہے جس کی مراد سمجھ میں نہ آئے سوائے اس کے کہ اجمال کرنے والے سے پوچھا جائےاوراسی کی طرف سے بیان ہو جائے جس سے مراد معلوم ہواور یہ اس اجمال کی وجہ کہ یاتواستعارہ کے معنی میں بعد ہوتا ہے یاعربی صیغہ میں اجنبیت ہوتی ہے جس کواہل ادب میں صیغہ غربیہ کہا کرتے ہیں اور غریب وہ جووطن سے دور ہواوردوسرےلوگوں میں داخل اس طرح ہوکہ اس کاکوئی نشان پتہ نہ چلے سوائے استفساراور پوچھنے کے اس کے وطن کے بارے میں جس سے پہچان ہو جائے۔

"أصول الشاشي" میں مجمل کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''المجمل وهو ما احتمل وجوها فصار بحال لا يوقف على المراد به إلا ببيان من قبل المتكلم ''.[23]

(ترجمہ): مجمل وہ کلام ہے جو چند صورتوں کااحتمال رکھتا ہو پس وہ ایسے حال میں ہوگا جس کی مراد پر متکلم کی طرف سے بیان کے بغیر واقفیت نہیں ہو سکتی ہے۔

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

مجمل، مفسر کے مقابلہ میں ہے اور جس طرح مفسر وضوح کے اعتبار سے اس درجہ پر ہوتا ہے کہ اس میں تاویل، تخصیص اور نسخ کا احتمال بھی باقی نہیں رہا، اسی طرح "مجمل" خفاء کے اعتبار سے اس مقام پر ہوتا ہے کہ اس میں معانی کا ہجوم ہوتا ہے اور شارع کے بیان کے بغیر اس تک پہنچنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ جب شارع "مجمل" کی وضاحت کردے تو وہ "مفسر" حکم ہو جاتا ہے۔

مجمل کی مثال

"مجمل" کی وضاحت لغت یا عقل سے نہیں ہو سکتی، بلکہ متکلم کا بیان اس کی وضاحت کرتا ہے۔ علامہ بزدویؒ لکھتے ہیں:

"وذلك مثل قوله تعالى وحرم الربا فإنه لا يدرك بمعاني اللغة بحال وكذلك الصلوة والزكوة وهو مأخوذ من الجملة وهو كرجل اغترب عن وطنه بوجه انقطع به أثره"[24]

(ترجمہ): اور اس کی مثال اللہ کا ارشاد: (حرم الربا) ہے۔ یہ ربا کے مرادی معنی، لغت کے ذریعے کسی طرح بھی معلوم نہیں ہو سکتے۔ اس طرح لفظ "صلوٰۃ و زکوٰۃ" ہیں، اور یہ لفظ "جملہ" سے لیا گیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ بندہ اپنے ملک میں غریب ہو گیا۔ ایسی غربت وانقطاع مراد ہے کہ اس کی نشان تک ختم ہو جائے۔

ربا، صلوٰۃ، زکوٰۃ اور حج کے الفاظ "مجمل" تھے، محض لغت سے ان کا شرعی مفہوم اخذ کرنا ناممکن تھا۔ شارع کی وضاحت کے بعد یہ "مفسر" ہو گئے۔ الفاظ مذکورہ شرعی اصطلاحات کی حیثیت رکھتے ہیں، لہٰذا لغت سے ان کی وضاحت درست نہیں ہو گی۔

مجمل کا حکم

"مجمل" کے حکم کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

"وموجبه اعتقاد الحقيقة فيما هو المراد والتوقف فيه إلى أن يتبين بيان المجمل"[25]

(ترجمہ): یعنی اس سے جو بھی مراد ہو اس کی حقیقت پر اعتقاد رکھنا واجب ہے اور توقف کیا جائے گا یہاں تک کہ مجمل کی مراد بیان کر دی جائے۔

وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں:

"حكم المجمل التوقف فى تعيين المراد منه فى عهد الرسالة حتى يبينه المتكلم به، لأنه هو الذى أبهم المراد منه، وليس فى صيغة اللفظ ولا فى القرائن الخارجية عنه ما يبينه،

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

فيتعين الرجوع الى المتكلم والاستفسار منه عنه، ليبينه."[26]

(ترجمہ): مجمل کا حکم یہ ہے کہ اس کی مراد کی تعیین عہد رسالتصلی اللہ علیہ وسلم تک متکلم کے اپنے بیان پر موقوف تھی، کیونکہ یہ وہ ہے جس کی مراد مبہم ترین ہوتی ہے، اور صیغہ یا خارجی قرائن سے اس کی مراد تک نہیں پہنچا جا سکتا، پس متکلم کی طرف رجوع کیا جائے گا اور ان سے اس ضمن میں استفسار کیا جائے گا تا کہ وہ (اس کی مراد) بیان فرمادیں۔

پس "مجمل" خفاء کے اعتبار سے اس درجہ میں ہوتا ہے کہ سوائے متکلم کے اپنے بیان کے اس کی مراد تک نہیں پہنچا جا سکتا اور جب متکلم کے بیان سے اس کی مراد پر اطلاع ہو جائے تو یہ "مفسر" ہو جاتا ہے جس میں تاویل تخصیص اور مجاز تک کا احتمال منقطع ہو جاتا ہے۔

متشابہ

غیر واضح الدلالۃ الفاظ میں سے چوتھی اور آخری قسم "متشابہ" ہے، جو "محکم" کے مقابلہ میں ہے۔ "محکم و متشابہ" وسعت و گہرائی کی حامل ابحاث میں سے ایک ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُه ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ"[27] یعنی یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور خدائے حکیم و خبیر کی طرف سے بہ تفصیل بیان کر دی گئی ہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

"اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ"[28] یعنی خدا نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی (ہیں)۔

سورۃ آل عمران میں محکم و متشابہ کا ذکر اس طرح آیا ہے:

"هُوَ الَّذِيَ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الأَلْبَابِ"[29]

(ترجمہ): وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں، تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تا کہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

پروردگا کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔

علماء نے وضاحت کی ہے کہ پہلی آیت میں محکم سے مراد اتقان اور متانت ہے، چنانچہ اس اعتبار سے پورا قرآن محکم ہے یعنی اس کی آیات میں اس قدر تنظیم اور پختگی ہے کہ کہیں بھی لفظی یا معنوی خلل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، دوسرے مقام میں متشابہ سے مراد یہ ہے کہ قرآن کا بعض حصہ دوسرے حصوں سے استدلال کی قوت، صفت اعجاز، فصاحت وبلاغت وغیرہ جیسی صفات میں مماثلت اور مشابہت رکھتا ہے، اس اعتبار سے پورا قرآن متشابہ ہوا، جب کہ تیسرے مقام پر محکم اور متشابہ کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ محکم قرآن کا وہ حصہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت واضح ہے اور متشابہ وہ حصہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مراد پر دلالت واضح نہ ہو۔[30]

بہر حال قواعد لغویہ میں متشابہ "محکم" کے مقابلہ میں ہے، اور جس طرح "محکم" میں انتہائی درجہ کا وضوح اور ظہور ہوتا ہے اسی طرح "متشابہ" میں انتہائی درجہ غیر واضح اور خفاء کا حامل ہوتا ہے۔ "محکم" میں تاویل، تخصیص اور نسخ کا بھی احتمال نہیں ہوتا، جب کہ "متشابہ" میں ابہام اس حد تک ہوتا ہے کہ اس کے بیان کی امید بھی منقطع ہوتی ہے۔ ذیل میں "متشابہات" کی تعریف اور حکم کے ضمن میں اصولیین کی آراء کو پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ بزدویؒ لکھتے ہیں:

"فإذا صار المراد مشتبها على وجه لا طريق لدركه حتى سقط طلبه ووجب اعتقاد الحقيه فيه سمى متشابها بخلاف المجمل فان طريق دركه متوهم وطريق درك المشكل قائم فأما المتشابه فلا طريق لدركه إلا التسليم فيقتضي اعتقاد الحقية قبل الإصابة وهذا معنى قوله وأخر متشابهات وعندنا أن لا حظ للراسخين في العلم من المتشابه لا التسليم على اعتقاد حقية المراد عند الله تعالى وأن الوقف على قوله وما يعلم تأويله إلا الله واجب"[31]

(ترجمہ): پس جب مراد کا سمجھ میں آنا اس حد تک مشتبہ ہوگا کہ اس کے حصول کا کوئی طریقہ باقی نہ رہا تو اس کی طلب ساقط ہو جائے گی اور اس کو حق سمجھنا واجب ہوگا۔ متشابہ مجمل کے برخلاف یہ نام اس لیے دیا گیا کہ مجمل کے معانی کا حصول ممکن ہوتا ہے اور مشکل کے معانی کا پالینا بھی ثابت ہے۔ جہاں تک متشابہ کا تعلق ہے تو اس کے ادراک کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کو ماننے کے (کہ وہ حق ہے) پس یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کو حق سمجھنے کا اعتقاد رکھا جائے اور اس کے معنی قیامت سے پہلے نہیں معلوم ہو سکتے اور یہ معنی ہے اللہ کے فرمان: (وأخر

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

متشابہات) کے۔ ہمارے نزدیک راسخین فی العلم کے لیے متشابہ کے معنی میں کوئی حصہ نہیں، سوائے یہ تسلیم واعتقاد کرنے کے کہ اس کی حقیقی مراد اللہ ہی کو معلوم ہے اور (وما یعلم تأویلہ إلا اللہ) پر وقف واجب ہے۔

علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

''وأما المتشابه فهو اسم لما انقطع رجاء معرفة المراد منه لمن اشتبه فيه عليه، والحكم فيه اعتقاد الحقية والتسليم بترك الطلب، والاشتغال بالوقوف على المراد منه''[32]

(ترجمہ): متشابہ اس کلام کا نام ہے جس کی مراد کی معرفت کی امید منقطع ہو جائے جس معاملے میں اس میں اشتباہ واقع ہے۔ اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کے حق ہونے کا اعتقاد رکھے اور اللہ کے سپرد کردے اور معانی کی طلب اور اس کی مراد جاننے کے اشتغال کو ترک کردے۔

علامہ بزدویؒ اور علامہ سرخسیؒ متشابہات کے ضمن میں ''تفویض'' کے قائل ہیں۔ سلف میں اکثر علماء اسی کے قائل ہیں۔ البتہ متشابہات کے ضمن میں دو مذہب ہیں، جن کا ذکر علامہ عبد العزیز بخاریؒ نے یوں کیا ہے:

''واختلفوا في أن الراسخ في العلم هل يعلم تأويل المتشابه فذهب عامة السلف من الصحابة والتابعين رضي الله عنهم إلى أنه لا حظ لأحد في ذلك; وإنما الواجب فيه التسليم إلى الله تعالى مع اعتقاد حقية المراد عنده. وهو مذهب عامة متقدمي أهل السنة والجماعة من أصحابنا وأصحاب الشافعي, وهو مختار المصنف وإليه أشار بقوله وعندنا, وعلى هذا الوقف على قوله إلا الله واجب لأنه لو وصل فهم أن الراسخين يعلمون تأويله فيتغير الكلام, وذهب أكثر المتأخرين إلى أن الراسخ يعلم تأويل المتشابه وأن الوقف على قوله والراسخون في العلم لا على ما قبله والواو فيه للعطف لا للاستئناف, وهو مذهب عامة المعتزلة.''[33]

(ترجمہ): اس میں اختلاف ہے کہ کیا راسخ فی العلم متشابہ کی تاویل جان سکتا ہے؟ اسلاف میں عمومی طور پر صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اور تابعینؒ کا مسلک یہی ہے کہ کسی کے لیے اس میں کوئی حصہ نہیں اور اس کے معاملہ میں صرف یہی واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے اور اس کی مراد اس کے پاس حق ہونے پر اعتقاد رکھا جائے۔ یہ عام متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ ہمارے اصحاب اور اصحاب شافعیہ کا مذہب ہے اور مصنف نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کی طرف اشارہ ان کا قول ''عندنا'' ہے۔ ''الا اللہ'' پر وقف کرنا واجب ہے کیونکہ اگر ملا دیا جائے تو مراد ہوگا الراسخون اس کی تاویل کو جانتے ہیں تو کلام میں تغیر واقع ہو جائے گا، مگر متاخرین کا مذہب یہ

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

ہے کہ راسخ فی العلم متشابہ کی تاویل جان سکتا ہے۔ان کے نزدیک وقف فرمان باری تعالیٰ میں ''والراسخون فی العلم'' پر ہے نہ کہ اس سے قبل پر۔''و'' یہاں عطف کے لیے ہے نہ کہ استیناف کے لیے۔یہ عام معتزلہ کا بھی مذہب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ متشابہات کے ضمن میں "تفویض" اور "تاویل" کے دو مذہب موجود رہے ہیں۔ اہل تفویض کے نزدیک راسخین فی العلم بھی ان کی مراد نہیں جانتے، ان کے نزدیک (''وما یعلم تأویله إلا الله)'' پر وقف واجب ہے،یوں راسخین فی العلم متشابہات کے مطلب کو نہیں جانتے،جب کہ اہل تاویل کے نزدیک اس کے برعکس بات ہے اوران کے نزدیک (وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ) پر وقف ہے۔یوں راسخین فی العلم بھی متشابہات کی مراد جان سکتا ہے۔اسے ''مذہب تاویل'' کہا جاتا ہے۔حسن سقاف کے مطابق: ''متشابہات کی تاویل کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ظاہری معانی کو مراد لینے کے بجائے معانی کی روح (یعنی مآل) کو بیان کیا جائے، یعنی اس لفظ کا لغت عرب، جس میں قرآن نازل ہوا ہے، میں سے کوئی اور بلاغی معنی جیسے مجاز وغیرہ مراد لیا جائے۔''[34]

ملاجیون نے اس امر کی صراحت فرمائی ہے کہ ''یہ اختلاف محض لفظی ہے۔جن حضرات نے یہ کہا کہ راسخین متشابہ کی مراد کو جانتے ہیں تو ان کی مراد یہ ہے کہ وہ اس کی ظنی مراد کو جانتے ہیں اور جنہوں نے کہا کہ راسخین اس کی مراد کو نہیں جانتے تو ان کی مراد یہ ہے کہ وہ اس کی اس یقینی مراد کو نہیں جانتے جس پر اعتقاد واجب ہو۔''[35] گویا واضح ہوا کہ اس ضمن میں اختلاف حقیقی نہیں، بلکہ محض لفظی نزاع ہے۔

متشابہات کی اقسام

متشابہات کی دو اقسام ہیں[36]:

1. ایک وہ ہے جس کے معنی بالکل معلوم نہ ہوں جیسے سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات، مثلاً الم، حم، اس لیے کہ مقطعات کا ہر کلمہ دوسرے کلمہ سے الگ الگ کرکے بولا جاتا ہے اور اس کے معنیٰ معلوم نہیں ہوتے۔اس لیے کہ یہ حروف تہجی کلام عرب میں ترکیب کی غرض کے علاوہ کسی دوسرے معنیٰ کے لیے وضع نہیں کیے گئے۔
2. دوسری قسم وہ ہے جس کے لغوی معنی تو معلوم ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مراد معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس کے ظاہری معنی محکم کے خلاف ہوتے ہیں، جیسے باری تعالیٰ کا قول: ''ید اللہ، وجہ اللہ، الرحمٰن علی العرش استویٰ، وجوہ یومئذ ناظرۃ'' اور ان جیسے دوسرے اقوال اور ان کو آیات صفات کے ساتھ موسوم کیا جاتا ہے۔

متشابہات کی بحث سے درج ذیل نکات اخذ کیے جا سکتے ہیں:

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

1. مجمل و مشکل کے بیان کی امید ہوتی ہے، مثلاً صلوٰۃ مجمل لفظ کی وضاحت متکلم کے بیان سے ہو جانے کے بعد یہ ''مفسر'' ہو گیا اور تاویل و تخصیص کا احتمال بھی ختم ہو گیا، لیکن متشابہ کی مراد کی امید بھی اس دنیا میں منقطع ہوتی ہے۔
2. متشابہ کی مراد کی امید منقطع ہونے کے باوجود ہم ان کے حق ہونے پر اعتقاد رکھتے ہیں۔
3. متشابہات کے متعلق دو مذہب ہیں۔ مذہب تفویض اور مذہب تاویل۔
4. ''مذہب تفویض'' کے مطابق راسخین فی العلم بھی متشابہات کی مراد پر مطلع نہیں ہوتے، جب کہ ''مذہب تاویل'' کی رو سے راسخین فی العلم بھی متشابہات کی تاویل پر مطلع ہو سکتے ہیں۔
5. یہ محض نزاع لفظی ہے، کیونکہ اہل تاویل بھی مجازی معنیٰ پر نہ تو اصرار کرتے ہیں اور نہ ہی قطعیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔

غیر واضح الدلالۃ الفاظ اور انحرافی تفاسیر

ذیل میں ''غیر واضح الدلالۃ الفاظ'' کے قواعد کی روشنی میں انحرافی تفاسیر کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

بذریعہ لغت ''مجمل'' الفاظ کی وضاحت درست نہیں:

''مجمل'' کی وضاحت شارع کے بیان پر موقوف ہوتی ہے اور متکلم کی طرف سے وضاحت کے بعد یہ کلام ''مفسر'' ہو جاتا ہے، جس میں تاویل و تخصیص اور مجاز کا احتمال بھی ختم ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ الفاظ لغوی اصطلاحات سے ''شرعی اصطلاحات'' بن جاتے ہیں، جن کی وضاحت لغت یا عقل سے کرنا ہرگز درست نہیں، اور ایسا کرنا قواعد لغویہ اصولیہ سے انحرافی تفسیر میں شمار کیا جائے گا۔ ذیل میں چند ایسی اصطلاحات کی نشاندہی کی جاتی ہے:

صلوۃ اور زکوۃ:

قرآن مجید نے اقامت صلوٰۃ و ایتائے زکوۃ کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ.''[37]

اس آیت کریمہ کے اندر صلوٰۃ و زکوۃ مجمل تھے لیکن شارع کی طرف سے وضاحت کے بعد مفسر ہو گئے اور تاویل و تخصیص کا احتمال ختم ہو گیا۔ اب کوئی اور تشریح قابل قبول نہیں ہو گی، مثلاً پرویز نے اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوۃ سے مراد ایک اجتماعی نظام اور مملکت کا قیام لیا ہے اور ایتائے زکوۃ کو مملکت کا فرض بتایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ تصور قرآن کے مطابق نہیں کہ لوگ اپنے طور پر اڑھائی فیصد خیرات کے طور پر خرچ کر دیں۔[38] ''اقامت صلوٰۃ'' کو غلام احمد پرویز نے یوں بیان کیا ہے:

''الصلوٰۃ کے معنی ہوئے انسانی خواہشات وجذبات کی، قوانین خداوندی کے مطابق، تسکین و

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

برومندی،ان سے حدود اللہ کےاندر رہتے ہوئے کام لینا۔انہیں قوانین الٰہیہ کے پیچھے پیچھے چلانا۔ظاہر ہے کہ یہ مقصد اجتماعی نظام کے تابع ہی حاصل ہو سکتا ہے۔"[39]

لغات سے سہارا لیتے ہوئے مجموعی طور پر پرویز نے "اقامت صلوٰۃ وایتائے زکوٰۃ" سے اقامت دین کاایک اجتماعی نظام مراد لیاہے،حالانکہ "صلوٰۃ و زکوٰۃ" کے مجمل الفاظ شارع کی وضاحت کے بعد "مفسر" ہوگئے اور ہر طرح کی تاویل و تخصیص کے احتمال سے پاک ہیں،لہٰذا یہ تاویل قابل قبول نہیں ہوگ۔ان الفاظ کی تفہیم کے لیے لغات کا سہارالینا درست نہیں، کیونکہ یہ لغوی اصطلاحات نہیں،بلکہ شرعی اصطلاحات ہیں اور شریعت کا حکم جاننے کے لیے شارع کی طرف رجوع کرناپڑے گا۔ محمد دین قاسمی لکھتے ہیں کہ "اقامت دین کے مفہوم کو "اقامت صلوٰۃ" کانام دیتے ہوئےایک وسیع نظام (نظام ربوبیت) قرار دینا،قرآن کریم کی ان آیات سے صریحاً ٹکراتا ہے جن میں اقامت صلوٰۃ کے مختلف پہلوؤں کو پیش کیاگیاہے۔"[40] نیز متعدد احادیث مبارکہ سے نماز اورزکوۃ کی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاارشاد مبارک ہے:

"صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي."[41] یعنی کہ تم نماز پڑھو جس طرح مجھے تم نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھاہے۔

سلسلہ نزول وحی کے منقطع ہونے کے بعد مفسر حکم "محکم" ہوگیا،لہٰذا اس سے نسخ کا احتمال بھی ختم ہوگیا۔پس ثابت ہواکہ "اقامت صلوٰۃ وایتائے زکوٰۃ" کے ضمن میں غلام احمد پرویز کی بیان کردہ تفسیر قابل قبول نہیں ہوگی۔

حج وعمرہ:

اسلام کے پانچ ارکان میں سےایک رکن "حج بیت اللہ" ہے۔ذی الحج کے مہینہ میں خانہ کعبہ کی زیارت اور مخصوص افعال سرانجام دینےکانام ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَ لِلّٰهِ عَلَي النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا." [42] اور لوگوں پر خداکا حق (یعنی فرض) ہے کہ جواس گھرتک جانے کامقدور رکھے وہ اس کاحج کرے۔

یہ آیت حج کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔حج کاطریقہ احادیث مبارکہ میں سکھایاگیااورآپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"خذوا عنی مناسککم."[43] یعنی مجھ سے مناسک حج سیکھو۔

یوں "حج اور عمرہ" کی "مجمل" اصطلاحات شارع کی وضاحت کے بعد "مفسر" ہوگئیں،لہٰذاان میں کوئی تاویل قابل قبول نہیں ہوگی۔غلام احمد پرویز نے "حج" کے مفہوم میں من مانی تفسیر کرتے ہوئے تحریر کیاہے:

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

''حج امت کے اس اجتماع کو کہا جائے گا جہاں نظام خداوندی سے متعلق جملہ اہم معاملات کا فیصلہ دلائل وحجت کی رو سے کیا جائے۔ مشاورتی نظام میں اس قسم کے اجتماعات نہایت ضروری ہوتے ہیں۔ میری بصیرت کے مطابق، اس نظام نے ایک عالمگیر سالانہ اجتماع ضروری قرار دیا تھا، اور سال بھر میں چھوٹے چھوٹے اجتماعات عند الضرورت اس پر مستزاد۔ ان اجتماعات کو عمرہ کہا جاتا ہے۔''[44]

حج اور عمرہ کی اصطلاحات کی وضاحت شارع کے قول سے بھی ہوتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کے ذریعہ بھی اسے ثابت کر دیا، لہٰذا پرویز کی بیان کردہ تفسیر نا قابل اعتبار ہے۔

نسک و نحر (قربانی):

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یاد میں ہر سال عید الاضحیٰ پر قربانی کی جاتی ہے۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن حکیم نے اسماعیل علیہ السلام کے جواب کو یوں نقل کیا ہے:

''فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاء اللّه مِنَ الصَّابِرِينَ.''[45]

(ترجمہ): جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے (کی عمر) کو پہنچا تو (ابراہیم نے) کہا بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابا جو آپ کو حکم ہوا ہے وہی کیجئے، خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائیے گا۔

مسلمان کا ہر عمل خالص رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر ہونا چاہیے۔ ارشاد ربانی ہے:

''قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.''[46]

(ترجمہ): (یہ بھی) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خدائے رب العالمین ہی کے لئے ہے۔

سورۃ الکوثر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ.''[47] یعنی تو اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو۔

درج بالا آیات سے قربانی کے عمل کا ثبوت ملتا ہے۔ قربانی کے مفصل احکامات مثلاً جانور کیسا ہو وغیرہ، یہ سب تفصیلات کتب احادیث میں موجود ہیں، گویا شارع کی وضاحت کے بعد ''نسک'' اور ''نحر'' کے مجمل الفاظ ''مفسر'' ہو گئے اور تاویل و تخصیص کا احتمال بھی ختم ہو گیا۔ اس ضمن میں انحرافی تفاسیر کے نمونے ذیل میں

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

پیش کیے جاتے ہیں:

پرویز نے "قربانی" کی حقیقت کو حسب ذیل نکات میں بیان کیا ہے:

1. قربانی صرف حج کے موقعہ پر ہے۔
2. قربانی کا مقام مکہ معظّمہ ہے، جہاں حج ہوتا ہے۔
3. قربانی سے مقصود یہ ہے کہ ان جانوروں کا گوشت کھایا جائے۔
4. یہ سمجھنا کہ جانور ذبح کرنے سے قرب الہیٰ حاصل ہوتا ہے، غلط ہے۔[48]

"حج کے علاوہ قربانی اور کہیں نہیں، لہٰذا یہ جو دنیا کے ہر قریہ اور ہر بستی کے گلی کوچے میں جانور ذبح کیے جاتے ہیں، قرآن کی رو سے اس کی شرعی حیثیت کچھ نہیں۔[49]

تفسیر القرآن بالقرآن میں یہی بات یوں بیان کی گئی ہے:

"گھر گھر قربانی خلاف قرآن، خلاف سنت اور اسراف محض ہے۔ "نیز" زمانہ رسالت میں مدینہ منورہ میں بھی گھر گھر قربانی نہیں ہوا کرتی تھی۔"[50]

دونوں عبارات کا حاصل یہ ہے کہ قربانی کا عمل قرآن اور حدیث سے ثابت نہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قربانی نہیں کی نیز قربانی کا مقصد صرف گوشت کھانا ہے۔ یہ سب انحرافی تفسیر کی واضح مثال ہے۔ قربانی کا ذکر قرآن حکیم میں بھی مذکور ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔

"عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ يُضَحِّي."[51]

(ترجمہ): حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سال قربانی کی۔

پرویز صاحب کے نزدیک قربانی کا مقصد صرف گوشت کھانا ہے۔ بالفرض اسے صحیح مان لیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ جب بھی کوئی جانور گوشت کھانے کے لیے ذبح کیا جائے تو اس عمل کو "عمل قربانی" یعنی "نسک اور نحر" سے تعبیر کیا جائے، جو کہ قرآن وسنت کی رو سے درست نہیں۔ اگر قربانی کا یہی مفہوم ہے تو قربانی اور اس سے متعلقہ شارع کے بیان کردہ احکامات وروایات کا کیا مطلب ہے؟ متعدد احادیث مبارکہ قربانی کے احکامات کو بیان کرتی ہیں۔ مثلاً: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مولی ابو عبید فرماتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو عیدالاضحیٰ کے موقع پر دیکھا کہ انہوں نے خطبے سے پہلے نماز پڑھائی اور پھر فرمایا میں

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان دو دنوں میں روزہ رکھنے سے منع کرتے ہوئے سنا۔ عید الفطر کو روزہ سے اس لئے منع کرتے تھے کہ وہ روزہ کھولنے اور مسلمانوں کی عید کا دن ہے اور عید الاضحیٰ میں اس لئے کہ تم اپنی قربانی کا گوشت کھا سکو۔[52]

پس "قربانی" کا انحرافی مفہوم قواعد لغویہ اصولیہ سے تجاوز کی واضح مثال ہے، جو درست نہیں۔ اسی لیے مفسر قرآن کے لیے جہاں دیگر علوم کو جاننا ضروری ہے، وہاں قواعد لغویہ اصولیہ کی معرفت بھی ناگزیر ہے۔

اعتکاف:

اعتکاف رضا و قرب خداوندی کا اہم ذریعہ ہے۔ ابن حزمؒ اعتکاف کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"الاعْتِكَافُ: هُوَ الإِقَامَةُ فِي الْمَسْجِدِ بِنِيَّةِ التَّقَرُّبِ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ سَاعَةً فَمَا فَوْقَهَا، لَيْلا، أَوْ نَهَارًا."[53]

(ترجمہ): اعتکاف مسجد میں تقرب الی اللہ کی نیت سے اقامت کرنا ہے ایک گھڑی یا اس سے زیادہ، ایک رات یا ایک دن۔

اعتکاف کے متعلق ارشاد ربانی ہے:

"ثُمَّ أَتِمُّواْ الصِّيَامَ إِلَى الَّليْلِ وَلاَ تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللّهِ فَلاَ تَقْرَبُوهَا"[54]

(ترجمہ): پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو یہ خدا کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جانا۔

اعتکاف کو الجھے ہوئے معاملات کے حل تلاش کرنے یا کسی خاص ٹریننگ کے ساتھ مخصوص قرار دینا قواعد لغویہ سے انحراف کی مثال ہے۔ اعتکاف کے عمل کی وضاحت خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ملتی ہے، لہٰذا اس وضاحت کے بعد تاویل کا راستہ اختیار کرنا مفسر کے حکم میں تجاوز کرنا ہے۔ مجمل اصطلاح کی وضاحت شارع کے عمل سے ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ شرعی اصطلاح بن گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک رمضان کے آخری دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے۔[55] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بغرض اعتکاف ایک خیمہ نصب کرنے کی روایت[56] بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اعتکاف ایک عبادت ہے، جس کے اپنے مخصوص احکام ہیں، مثلاً بیوی سے مباشرت سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا غلام احمد پرویز کا بیان کردہ مفہوم مفسر کے حکم کے خلاف ہے۔

ربا اور اس کی صورتیں:

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

سورۃالبقرۃ کی آیت: (''أحل الله البيع وحرم الربوا''[57]) کی رو سے سود حرام ہے۔ عربوں میں ربا کی معروف صورت کے علاوہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے چند مزید امور کی صراحت ہوتی ہے، جو شرعی اصطلاح میں سود سمجھے جائیں گے۔ مثلاً ربا الفضل[58] جو کہ عربوں کے مروجہ طریقہ پر سود نہیں تھا، لیکن شریعت مطہرہ نے اسے ربا قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ''ربا'' لغوی نہیں، بلکہ ایک شرعی اصطلاح ہے۔ شریعت نے جن جن امور کو سود قرار دیا وہ سب حرام ہیں۔ اس لحاظ سے آیت مبارکہ بیع اور ربا کی عدم برابری کے سلسلہ میں ''نص'' ہے اور مفسر کے لیے اس کا فہم ناگزیر ہے۔ عدم معرفت کی صورت میں مراد الٰہی تک پہنچنا ناممکن ہے۔ مثلاً سر سید احمد خان ''ربا الفضل'' کو جائز قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''آیت میں عربوں کے معروف ربا کا ذکر ہے، اور عرب ربا الفضل کو سود نہیں سمجھتے تھے۔ ربا الفضل کا ذکر حدیث میں آیا ہے اور خبر واحد سے ظاہر قرآن میں تخصیص جائز نہیں۔ ایسا کرنا اعلانیہ غلطی ہے اور اس قسم کے مبادلوں کی بڑ ہوتری سے اس آیت کو کچھ تعلق نہیں ہے۔''[59]

سر سید نے ''نص'' کو پس پشت ڈالتے ہوئے محض عربوں کے رواج کو حجت بناتے ہوئے ''ربا'' کی وضاحت لغوی اعتبار سے کی ہے۔ تفسیر مظہری میں ربا الفضل کی مختلف روایات کو ذکر کرنے کے بعد علامہ ثناء اللہ لکھتے ہیں:

> ''جمہور کے نزدیک مذکورہ اشیاء میں تو حرمت منصوص ہی ہے، لیکن حکم کی بناء سبب پر ہے۔ لہٰذا جہاں سبب حرمت موجود ہوگا، حکم حرمت بھی ہوگا۔''[60]

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

> ''شریعت میں لفظ ''ربوا'' کا متعدد ایسے معانی پر اطلاق ہوتا ہے کہ لغت میں ان تمام معانی کے لیے کوئی مستقل اسم موضوع نہیں۔
>
> اصناف ستہ (سونا، چاندی، نمک، کھجور، جو، گندم) جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد روایات میں مختلف جہات سے منقول ہے، میں تفاضل حرام ہے۔ یہ حدیث ہمارے نزدیک اپنے رواۃ کی کثرت اور فقہاء کرامؒ کے اتفاق کی بناء پر تواتر کے درجہ میں ہے۔''[61]

پس ثابت ہوا کہ ''ربا'' کی ہر شکل کو شریعت مطہرہ نے حرام قرار دیا ہے۔ مذکورہ بالا وضاحت کی روشنی میں یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ واضح الدلالۃ الفاظ کی معرفت کے بغیر مراد متکلم تک پہنچنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے، جیسا کہ لفظ ''ربا'' لغوی نہیں رہا، بلکہ شرعی اصطلاح ہے اور شرعی معانی کا اعتبار ہی کیا جائے گا۔

متشابہات کا انکار درست نہیں

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

متشابہات کے متعلق تفسیر القرآن بالقرآن کے مقدمہ میں درج ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُه ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ''[62] یعنی یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں حکیم وخبیر کی طرف سے محکم کردی گئی ہیں۔ پھر اسی کی طرف سے ان کی پوری پوری تفصیل بھی کردی گئی ہے۔۔

اس آیت کریمہ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو آیات کریمات 7/3 کی خبر کے مطابق متشابہات ہیں، خداوند حکیم وخبیر نے انہیں محکم کردیا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ آیتیں جو پہلے ہی محکمات ہیں ان کے محکم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اس پر پھر سوال پڑتا ہے کہ متشابہات کو کس طرح محکمات کردیا گیا ہے۔ اس سوال کا جواب خود متشابہات اور محکمات کے قرآنی تقابل میں محفوظ و موجود ہے یعنی:

1. قواعد عرب کے مطابق جہاں کسی جملے کے ایک سے زائد مفہوم درست ہوتے ہوں، ایسی آیات متشابہات کو ایسی آیات محکمات لاکر محکم کردیا ہے، کہ قواعد کی رو سے ان کے ایک سے زائد معنی برآمد ہی نہیں ہوسکتے۔
2. جہاں کوئی لفظ بطور مجاز استعمال ہوا ہے اس کے مفہوم کو دوسرے مقامات پر بطور حقیقت لاکر محکم کردیا ہے۔
3. جہاں کوئی جملہ محاورہ، تشبیہ یا استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے اسے بھی دوسری جگہ حقیقی معنوں میں بیان کرکے تشبیہ واستعارہ کو حقیقت کی لگام (حکمہ) دیکر محکم کردیا ہے۔
4. جو متشابہ آیت مشاہدات عالم کے کسی گوشے کی مخالفت کرتی ہے اس پر اپنی کائنات کو حاکم ٹھہرا کر محکم کردیا ہے۔
5. اور جس آیت میں اجمال ہے، اس اجمال کو دوسری آیت یا آیات میں تفصیلاً بیان کرکے محکم کردیا ہے۔[63]

متشابہات کے وجود کا انکار کردینا اور یہ کہنا کہ پورا قرآن ''محکم'' ہوگیا ہے، قواعد لغویہ اصولیہ سے انحراف کی صورت ہے اور یہ درست نہیں۔

اس کے لیے جو قاعدہ بیان کیا گیا کہ ''قواعد عرب کے مطابق آیات متشابہات کو آیات محکمات لاکر بدل دیا گیا ہے''، یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ ادارہ نے اس کی کوئی مثال بھی پیش نہیں کی۔ مزید برآں، اللہ رب العزت اپنے کلام سے متشابہات کو خارج کرنے کے لیے قواعد عرب کا محتاج نہیں، جیسا کہ مذکورہ قاعدہ میں بیان کیا گیا۔

قرآن حکیم کی ایک آیت سے استدلال کرنا اور دوسری آیت مبارکہ کو نظرانداز کردینا درست نہیں، جب کہ دوسری آیت میں زمانہ نزول وحی تک نسخ یا تخصیص بھی نہیں ہوئی، اور بعد کے زمانے کا اعتبار نہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

''هو الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰت هن اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ.''[64]

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

اس آیت مبارکہ کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ محکم اور متشابہ دونوں کا وجود باقی ہے۔ محکم اپنی مراد پر واضح ہوتا ہے جب کہ متشابہ میں متکلم کی مراد پر دلالت واضح نہیں ہوتی، البتہ اس کے حق ہونے کا اعتقاد ضروری ہوتا ہے۔ متشابہات کے ضمن میں "تفویض اور تاویل" کے دو مذاہب موجود رہے ہیں۔ متقدمین اصولیین تفویض کے قائل نظر آتے ہیں، جب کہ متاخرین میں سے اکثر کا رجحان تاویل کی طرف رہا ہے۔

مجاز، محاورہ اور استعارہ وغیرہ کے متعلق یہ کہا گیا کہ اس کی حقیقت کو دوسرے مقام پر واضح کرکے محکم کر دیا گیا ہے، لیکن عملی طور پر صاحب تفسیر نے اس چیز کا بھی التزام نہیں کیا کہ حقیقی معنی کو "حقیقی" رہنے دیا جاتا، بلکہ انہیں بھی بلا دلیل مجاز کی طرف لے جایا گیا، مثلاً: آیت مبارکہ "وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلآئِكَةِ اسْجُدُواْ لآدَمَ فَسَجَدُواْ إِلاَّ إِبْلِيسَ."[65] میں ملائکہ کے لفظ کو حقیقی معنی چھوڑ کو مجاز کا رنگ دینا اور یہ کہنا کہ اس سے مراد "موجودات عالم میں پیدا کردہ قوتیں"[66] ہیں، اسی طرح "آدم علیہ السلام" کے خاص لفظ کو بھی بلا دلیل مجاز کی طرف لے جانا اور اس سے "سب کے سب نوع آدم"[67] مراد لینا کسی طور درست نہیں۔ غرض صاحب تفسیر کی اپنی بیان کردہ تعبیر سے ان کے اصول کا رد ہوتا ہے اور یہ کہنا کسی طور درست نہیں کہ متشابہات کا وجود ہی نہیں، البتہ تفویض اور تاویل کے رجحان کو ترجیح دینا الگ بات ہے۔ متشابہات کا وجود اور ان کی حقیقی مراد اللہ رب العزت کے سپرد کرتے ہوئے ان پر اعتقاد رکھنا لازمی اور ضروری ہے، جب کہ ان کا وجود خود قرآن سے ثابت ہے۔

نتائج بحث:

غیر واضح الدلالۃ الفاظ اور انحرافی تفاسیر کی فصل کا خلاصہ درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے:

1. غیر واضح الدلالۃ میں سب سے پہلا "خفی" ہے جو "ظاہر" کے مقابلہ میں ہے۔ خفی وہ ہے جس کی مراد صیغہ کی وجہ سے پوشیدہ نہیں ہوتی، بلکہ کسی بیرونی عارضے کی وجہ سے پوشیدہ ہوتی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ مجتہد اس میں اس حد تک غور و فکر کرے کہ یہ واضح ہو جائے کہ خفاء معنی میں کمی کی وجہ سے ہے یا زیادتی کی وجہ سے، اگر "خفاء" معنی کی زیادتی کی وجہ سے ہو تو اس کا حکم "ظاہر" کے حکم والا ہی ہوگا اور اگر "خفاء" معنی کی کمی کی وجہ سے ہو تو "ظاہر" کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔
2. مشکل باعتبار خفاء و پوشیدگی کے خفی سے بڑھ کر ہے اور "مشکل" وہ ہے جو اپنے ہم مثل میں داخل ہونے کی وجہ سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خفی کی نسبت مشکل کے لیے زیادہ تامل اور غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ "خفی" کی مراد معمولی طلب و کوشش سے پہچانی جا سکتی ہے لیکن "مشکل" کے لیے شدید طلب کے بعد تامل کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ ہم شکل کو الگ کیا جا سکے۔
3. مجمل، مفسر کے مقابلہ میں ہے اور یہ خفاء کے اعتبار سے اس مقام پر ہوتا ہے کہ اس میں معانی کا ہجوم

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

ہوتا ہےاور شارع کے بیان کے بغیراس تک پہنچنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔جب شارع ''مجمل''کی وضاحت کردے تو وہ''مفسر''حکم ہو جاتا ہے جس میں تاویل، تخصیص اور مجاز کااحتمال بھی ختم ہو جاتا ہے۔

4. قواعد لغویہ میں متشابہ''محکم''کے مقابلہ میں ہے،اور جس طرح ''محکم''میں انتہائی درجہ کاوضوح اور ظہور ہوتا ہےاسی طرح ''متشابہ''انتہائی درجہ غیرواضح اور خفاء کاحامل ہوتا ہے۔''محکم''میں تاویل، تخصیص اور نسخ کا بھی احتمال نہیں ہوتا،جب کہ ''متشابہ''میں ابہام اس حدتک ہوتا ہے کہ اس کے بیان کی امید بھی منقطع ہو جاتی ہے، لیکن ہم ان کے حق ہونے پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

5. تشابہات کے متعلق دو مذہب ہیں۔مذہب تفویض اور مذہب تاویل۔''مذہب تفویض'' کے مطابق راسخین فی العلم بھی متشابہات کی مراد پر مطلع نہیں ہوتے،جب کہ''مذہب تاویل'' کی روسے راسخین فی العلم بھی متشابہات کی تاویل پر مطلع ہو سکتے ہیں۔یہ محض نزاع لفظی ہے، کیونکہ اہل تاویل بھی مجازی معنیٰ پر نہ تواصرار کرتے ہیں اور نہ ہی قطعیت کادعویٰ کرتے ہیں۔

6. مفسر قران کے لیے جہاں دیگر قواعد لغویہ اصولیہ کی معرفت ناگزیر ہے،اسی طرح ''غیرواضح الدلالۃ الفاظ''کے فہم کی اہمیت سے انکار نہیں کیاجاسکتا،مثلاً قرآن حکیم میں بہت سے مجمل الفاظ موجود ہیں،اور مجمل کی وضاحت متکلم کے بیان کے بغیر ممکن ہی نہیں۔اگران مجمل الفاظ کو محض لغت یا عقل سے حل کرنے کی کوشش کی جائےتو یہ بے معنیٰ اور قابل رد ہے، جیسے کہ صلوٰۃ،زکوۃ،حج اوراعتکاف وغیرہ۔اسی طرح خفی، مشکل اور متشابہات کی معرفت ضروری ہے۔ان قواعد سے نابلد فرد متشابہات کے من چاہے معانی کو قطعیت کادرجہ دینے کی سعی کرے یاان کاانکار کرےتواس کی بیان کردہ تعبیر قابل رد ہے۔لہٰذاضروری ہے کہ مفسر قرآن ''واضح الدلالۃ الفاظ''کے ساتھ ساتھ ''غیرواضح الدلالۃ الفاظ''کا بھی مکمل فہم حاصل کرے۔

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

حواشی وحوالہ جات

[1]. السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمٰن بن الکمال، الإتقان فی علوم القرآن، (تحقیق:محمد أبوالفضل ابراهیم)، وزارة الشؤون الإسلامیة والأوقاف والدعوة والإرشاد- المملکة العربیة السعودیة، ج4، ص 187

2 . حریری، غلام احمد، تاریخ تفسیر و مفسرین، ملک سنز پبلشرز کارخانہ بازار، فیصل آباد، 984ص244

3. محمد نعمان، مولانا، قواعد التفسیر، دار الناشر، اردو بازار-لاہور، 2014ء، ص98

4. البزدوی، علی بن محمد، أصول البزدوی-کنز الوصول إلی معرفة الأصول، مطبعة جاوید بریس، کراتشی، ج1ص 9

5 . السرخسی، محمد بن احمد، أصول السرخسی، دارالکتب العلمیة، بیروت، 1993ء، ص 168

6. ملاجیون، شیخ احمد، مولانا، نورالانوار مع حاشیہ قمر الاقمار، المیزان ناشران وتاجران کتب، اردو بازار-لاہور، س۔ن، ص19

7. المائدة: 5: 38

8 . الشاشی، نظام الدین، اصول الشاشی مع احسن الحواشی، مکتبہ قاسمیہ، اردو بازار-لاہور، ص24

9 . چوری کی تعریف:(السرقة اخذ المال علی وجه المسارقة عن عین الحافظ الذي قصد حفظه لکنه انقطع حفظه بعارض) یعنی سرقہ ایسے مال کو چرانا ہے جس کی حفاظت کا قصد کیا گیا لیکن اس کی حفاظت کسی عارضے کی وجہ سے منقطع ہوگئی۔، اصول البزدوی، ص 75

10. اصول البزدوی، ص74

11 . أصول السرخسی، 168

12 . أصول الشاشی، ص 24

13 . محمد أدیب صالح، تفسیر النصوص فی الفقه الإسلامی، المکتب الإسلامی، بیروت، 1993م، ج1، ص: 149

14. أصول البزدوی، ص 75

15. أصول البزدوی، ص 9

16. أصول السرخسی، ج1 ص 16

17. أصول الشاشی، ص 24

18. أصول الشاشی، ص 24

19. أصول البزدوی، ص 9

20. نورالأنوار، ص99

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

21. أصول البزدوی، ص 9
22. أصول السرخسی، ج1 ص 183
23. أصول الشاشی، ص 24-25
24. أصول البزدوی، ص 9
25. أصول السرخسی، ج1 ص 183
26. وهبة الزحیلی، الدکتور، أصول الفقه الإسلامی، کتب خانه رشیدیه، پشاور، ج1 ص 341
27. هود: 11: 1
28. الزمر: 39: 23
29. آل عمران: 3: 7
30. الزرقانی، عبد العظیم، مناهل العرفان، دارالفکر، بیروت، 1996م، ج2 ص 194
31. أصول البزدوی، ص 9-10
32. أصول السرخسی، دارالکتب العلمیة، بیروت، 1993م، ج1 ص 169
33. علاء الدین البخاری، عبد العزیز بن أحمد بن محمد ،کشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوی، (محقق: عبد الله محمود محمد عمر)، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی 1418هـ/1997م، ج1ص 88
34. ابن جوزی، عبد الرحمٰن، أبوالفرج، مقدمة دفع شبة التشبیه، (محقق:حسن سقاف)، دارالإمام الرواس، بیروت، 2007م، ص 8
35. نورالأنوار، ص 102
36. نورالأنوار، ص102
37. البقرة: 2: 43
38. پرویز، مطالب الفرقان، طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ، لاہور، اکتوبر1976ء، ج2، ص205-206
39. مطالب الفرقان، ج1، ص99
40. محمد دین قاسمی، تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ، ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور، اشاعت اول،2009ء، ج1، ص561
41. صحیح البخاری، کتاب الآذان، باب الآذان للمسافراذاکانوا جماعة، والإقامة کذلک بعرفة وجمع وقول
42. آل عمران3: 97
43. (سنن نسائی میں یہ حدیث درج ذیل الفاظ سے مذکور ہے: "خذوامناسککم") النسائی،

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب، سنن النسائی، کتاب مناسک الحج (المواقیت)، باب الرکوب الی الجمار و استظلال المحرم، دارالسلام للنشروالتوزیع، الریاض، الطبعة الرابعة، 2008م، رقم الحدیث: 3063 ص 2284

44. **مطالب الفرقان، ج3، ص120**
45. الصافات: 37: 102
46. الانعام: 6: 162
47. الکوثر: 108: 2
48. **پرویز، غلام احمد، قرآنی فیصلے، طلوع اسلام ٹرسٹ، گلبرگ-لاہور، س-ن، ج1، ص77**
49. **قرآنی فیصلے ج1، ص99**
50. **ترجمۃ القرآن بتصریف آیات الفرقان (تفسیر القرآن بالقرآن)، ادارہ بلاغ القرآن، این سمن آباد-لاہور، س-ن، ج1، ص164- 165 (اس کتاب پر مفسر کا نام نہیں لکھا گیا، کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ:"اس کتاب مقدس کا مفسر خود صاحب کتاب ہے، ہم مفسرین قرآن نہیں، بلکہ خادمین قرآن بتصریف آیات الفرقان ہیں۔" ملاحظہ ہو: صفحہ 242)**
51. جامع ترمذی، أبوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، حافظ، جامع ترمذی، أبواب الأضاحی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، الدلیل علی أن الأضحیة سنة، رقم الحدیث:1507 ص 1806
52. جامع ترمذی، أبواب الصوم عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، باب ماجاء فی کراهیة الصوم یوم الفطر ویوم النحر، رقم الحدیث: 771 ص 1723
53. ابن حزم، أبومحمد علی بن أحمد بن سعید، المحلی، (تحقیق: عبد الغفار سلیمان البنداری)، دارالکتب العلمیة، بیروت، 2002م، کتاب الاعتکاف، ج3 ص 411
54. البقرة: 2: 187
55. جامع ترمذی، أبواب الصوم عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، باب ماجاء فی الاعتکاف، رقم الحدیث:790 ص 1725
56. صحیح بخاری، أبواب الاعتکاف، باب اعتکاف النساء، رقم الحدیث:2033
57. البقرة: 2: 275
58. **حدیث مبارکہ ہے:**("قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ)" النیسابوری، مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم (موسوعة

UOCHJRS, ISSN: 2616-6496, Volume 1 | Issue 1 |June-December 2017
DOI: 10.33195/uochjrs-v1i1482017

الحدیث الشریف، الکتب الستة)، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، الطبعة الرابعة، 2008م، کتاب المساقاة والمزارعة، باب الصرف وبیع الذهب بالورق نقداً، رقم الحدیث: 4063، ص 953

59. سرسید احمد خان، تفسیر القرآن مع تحریر فی اصول التفسیر، دوست ایسوسی ایٹس الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، 1994ء، ملخص صفحہ 308 تا 312

60. پانی پتی، محمد ثناء اللہ عثمانی، تفسیر مظہری، (مترجم: مولانا سید عبد الدائم جلالی)، خزینہ علم وادب، اردو بازار، لاہور، س-ن، ج1، ص63

61. ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا، احکام القرآن، (مترجم: مولانا محمد زکریا اقبال)، دارالاشاعت، اردو بازار- کراچی، اکتوبر 2012ء، ج1، ص626، 621-627، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے اس امر کی بھی تفصیل سے وضاحت فرمائی ہے کہ ربا لغوی نہیں، بلکہ شرعی اصطلاح ہے۔

62. هود: 11: 1

63. تفسیرالقرآن بالقرآن، ج 1، ص 27-28

64 . آل عمران: 3: 7

65. البقرة: 2: 37

66. ترجمۃ القرآن بتصریف آیات الفرقان (تفسیر القرآن بالقرآن)، ادارہ بلاغ القرآن، این سمن آباد-لاہور، ج1 ص31

67. ترجمۃ القرآن بتصریف آیات الفرقان (تفسیر القرآن بالقرآن)، ادارہ بلاغ القرآن، این سمن آباد-لاہور، س-ن، ج1، ص31

@ 2017 by the author, Licensee University of Chitral, Journal of Religious Studies. This article is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/).